اسلام کی نظر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت

مولانا محمد شہابُ الدین ندوی

پہلی قسط:

جامعہ اشرفیہ فیروز پوُر روڈ لاہور

مذاہبِ عالم میں یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ وہ دین اور دنیا دونوں کا جامع ہے اور انسان کو ان دونوں جہانوں کی سعادتوں سے متمتع ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے برعکس دنیا کے دیگر مذاہب میں اس قسم کی جامعیت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ بعض مذاہب صرف حصولِ دنیا پر زور دیتے ہیں اور روحانیت کو فراموش کر دیتے ہیں جیسے یہودی مذہب۔ چنانچہ یہودیت میں آخرت کا کوئی صحیح تصور موجود نہیں ہے۔ اسی طرح بعض مذاہب دُنیا اور دنیوی زندگی کی خوب مذمت کرتے ہوئے صرف رُوحانیت کے حصول پر زور دیتے ہیں۔ جیسے عیسائی مذہب۔ چنانچہ عیسائی عقیدے کی رو سے چونکہ انسان کی ابتدا گنہگاری سے ہوئی ہے اس لئے وہ دائمی طور پر ملعون اور مردود قرار پاتا ہے۔ ہندی ادیان میں بھی تکریم آدم اور خلافتِ ارض وغیرہ کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ بدھ مت ایک منفی تصورِ حیات پیش کرتا ہے۔ اس طرح یہ مذاہب بنیادی طور پر رہبانیت یا ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہیں اور تذلیلِ انسانیت کے تصورات پیش کرتے ہیں، تمدن کا ساتھ دینا یا ترقی تمدن کے تصورات پیش کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ اب رہا معاملہ اسلام کا تو وہ واحد مذہب ہے جو انسان کے صحیح مقام و مرتبے کو بلند کرتے ہوئے اس کو عالمِ آب و خاک کی سب سے زیادہ معزز اور باوقار ہستی قرار دیتا ہے۔ اور دین و مذہب کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھلائی اور اُس کے حصول کو بھی ضروری بتاتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم کا دعویٰ ہے:

ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر والبحر ورزقنھم من الطیبت وفضلنھم علی کثیرٍ ممن خلقنا تفضیلاً :

ترجمہ:۔ اور ہم نے آدم کی اولاد کو یقیناً عزت بخشی اور انہیں بر و بحر میں سواریاں عطا کیں، (خورد و نوش کی) عمدہ چیزوں سے انہیں نوازا اور بہت سی مخلوقات پر اُنہیں کلی فضیلت عطا کی۔ (بنی اسرائیل: ۷۰)۔

اسلامی عقیدے کی رو سے انسان اس زمین کا سردار اور ''گلِ سر سبد'' ہے۔ اُسی کی خاطر یہ پورا عالم تخلیق کیا گیا ہے اور اُسی کی خاطر انواع و اقسام کی نعمتوں سے بھرپور یہ ''عالمی دسترخوان'' بچھایا گیا ہے۔

ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً : ترجمہ: اُسی نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں ۔ (بقرہ: ۲۹).

سائنس اسلام کی نظر میں:

انسان اس دنیا میں ملعون اور مردود یا قیدی اور اسیر بنا کر پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُس کو ارادہ و اختیار کی آزادی سے نوازتے ہوئے عالمِ ارض کا صدر نشین اور ایک ذمہ دار ہستی بنایا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں اس نظریہ کی تعبیر ''خلافتِ ارض'' یا ''زمین کی جانشینی'' کے الفاظ سے

کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تخلیق آدم کے موقع پر جب اس کو "خلیفہ الارض" یعنی "زمین کا جانشین" بنانے کا اعلان کیا گیا تو خدائی منصوبے کے مطابق تخلیقِ آدم کے فوراً بعد حضرت آدم علیہ السلام کو تمام موجوداتِ عالم کے نام بتا کر انسانِ اول سے ہر چیز کا تعارف کرا دیا گیا۔ تا کہ وہ دنیا کی کسی بھی چیز اور کسی بھی مظہرِ فطرت سے ناواقف یا ناآشنائے محض نہ رہ جائے۔

چنانچہ آیۂ کریمہ "وعلم آدم الاسماء کلھا" (اور اللہ نے آدم کو تمام نام بتا دئے) سے اکابر مفسرین نے یہی مفہوم مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی تمام چیزوں کے نام اور اُن کے آثار و خواص سمجھا دئے تھے، جن پر خلافتِ ارض کا دارومدار ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو (حضرت ابنِ عباسؓ کی تصریح کے مطابق) تمام چیزوں اور اُن کی صفات کا علم دے دیا تھا۔(۱)

علامہ زمخشری کی تصریح کے مطابق چیزوں کے ناموں کے ساتھ ساتھ چیزوں کے متعلقات اور دینی و دنیوی تمام منافع بھی سمجھا دئے گئے تھے۔(۲)

اور امام رازی کے نزدیک اشیاء کی صفات، اُن کی تعریفیں اور اُن کے خواص ہیں۔(۳)

مختصر یہ کہ حضرت آدمؑ کو "علم الاشیاء" سے نوازا گیا تھا۔ اور یہ دنیا کا سب سے پہلا علم ہے جو انسانِ اول کے توسط سے نوعِ انسانی کو سرفراز کیا گیا۔ اور اس علم کی اہمیت دورِ قدیم سے زیادہ دورِ جدید میں نمایاں ہے۔ چنانچہ آج انسان جس چیز کو سائنس یا نیچرل علوم (NATURAL SCIENCES) کہتا ہے وہ یہی علم الاشیاء یا قرآنی اصطلاح کے مطابق "علمِ اسماء" ہے، جس کی تعلیم انسان کو روزِ اول میں ہی دے دی گئی تھی۔ تا کہ وہ اس علم کے ذریعہ خلافتِ ارض کے میدان کو سر کرے اور دنیا میں خدائی منشا کے مطابق عدل وانصاف قائم کرے، جیسا کہ قرآن حکیم میں حضرت داؤد علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ":

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا کرو اور خواہشات (نفسانی) کی پیروی مت کرو جو تم کو اللہ کے راستے سے پھیر دے۔ (ص:۲۶)۔

زمین کی خلافت:

یہ ہے انسان کے بارے میں اسلام کا بنیادی نظریہ کہ وہ اس کائنات کی سب سے زیادہ معزز اور باوقار ہستی ہے۔ اور اللہ نے اس دنیا میں اس کو خلیفہ بنا کر تمام اشیائے عالم کا علم عطا فرمایا ہے تا کہ وہ ہر ایک شے اور ہر ایک ہستی کے مقام اور مرتبے کو پہچانتے ہوئے ہر ایک سے اُس کے مرتبے کے مطابق سلوک کرے اور اس خاکدانِ عالم سے ظلم و زیادتی یا اقوامِ عالم کی باہمی رقابتوں اور سرکشیوں کا استیصال کرتے ہوئے عدلِ الٰہی قائم کرے، تا کہ پوری انسانی دنیا امن وامان اور چین و سکون کا سانس لے سکے۔

قرآنِ مجید میں اقوامِ ماضیہ کی نافرمانی کے باعث اُن کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ بطورِ عبرت وبصیرت بار بار کرتے ہوئے نوعِ انسانی کو مختلف اسالیب میں متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ تخلیق انسانی کے منشا ومقصد اور خلافتِ ارض کی بنیادی غرض وغایت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور کسی بھی حال میں خدائی منشا ومقصد سے غافل ہو کر من مانی نہ کرے۔

چنانچہ ایک موقع پر صاف صاف الفاظ میں بطور تہدید متنبہ کیا گیا ہے:

" ولقد اهلكنا القرون من قبلكم لما ظلموا وجاء تهم رسلهم بالبينت وما كانو ليؤ منوا كذالك نجزى القوم المجرمين٥ثم جعلنكم خليف فى الارض من بعدهم لننظر كيف تعملون " :

ترجمہ:۔اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے قوموں کو ان کے ظلم کی پاداش میں ہلاک کر دیا ہے۔ حالانکہ اُن کے پاس اُن کے رسول واضح دلائل لے کر آ چکے تھے۔ مگر وہ (اپنے قلبی عناد کے باعث) ایمان لانے والے نہیں تھے۔ مجرم لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ پھر اُن کے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔(یونس:۱۳۔۱۴)۔

ٹیکنالوجی اسلام کی نظر میں:

انسان اور خلافت کے قرآنی تصورات کی اس مختصر وضاحت کے بعد آئیے اب دیکھیں کہ اسلام صنعت وحرفت یا ٹیکنالوجی کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ ٹیکنالوجی کا سیدھا سادہ مطلب ہے صنعت وحرفت یا فنون اور دستکاریوں کا علم۔ چنانچہ سائنس اور صنعت میں فرق یہ ہے کہ سائنس اشیائے عالم اور اُن کی ساخت وپرداخت یا اُن کی خصوصیات کے مجرد علم یا مجرد معلومات کا نام ہے۔ اور صنعت یا ٹیکنالوجی ان معلومات کو برتتے ہوئے ان اشیاء سے عملی استفادہ کو کہا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اشیائے عالم میں جو فوائد پوشیدہ ہیں ان سے عملاً فائدہ اُٹھانے کا نام صنعت وحرفت یا ٹیکنالوجی ہے۔

اس لحاظ سے یہاں پر اشیائے عالم سے استفادہ کے دو درجے قرار پاتے ہیں، پہلا درجہ اشیائے عالم کی صحیح معرفت ہے اور دوسرا درجہ اشیائے عالم کے فوائد سے استفادہ اور ان کی مضرتوں سے بچاؤ کا ہے۔ تو جہاں تک پہلے درجہ کا تعلق ہے اسلام نظریاتی اعتبار سے انسان کے لئے علمِ اشیاء کا حصول خلافتِ ارض کے نقطۂ نظر سے ضروری تصور کرتا ہے، جیسا کہ واضح کیا جا چکا۔ بلکہ وہ نوعِ انسانی کو اس پر اُبھارتا ہے کہ وہ کائنات سے متعلق ہر چیز کا تفصیلی علم حاصل کرے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید کی بے شمار آیات اس سلسلے میں دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً:

ان فى خلقِ السموت والارض واختلاف اليل والنهار لايتٍ لاولى الاباب :

یقیناً زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور رات دن کے ہیر پھیر میں پختہ عقل والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔ (آل عمران:۱۹۰)۔

" اولم ينظروا فى ملكوت السموت والارض وما خلق الله من شيٍ ء ".

کیا ان لوگوں نے زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اور اللہ کی پیدا کردہ چیزوں میں غور نہیں کیا؟ (اعراف:۱۸۵)۔

اس قسم کی آیات اگرچہ بنیادی طور پر خدائی پرستی کے اثبات میں اور الحاد ولادینیت کے خلاف وارد ہوئی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ اس سے

اولین طور پر مطالعہ فطرت کی ہمت افزائی اور علومِ سائنس کی ترقی کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ کیونکہ سائنس نام ہے اشیائے عالم کے منظم مطالعہ یا ان میں موجود طبیعی قوانین کو کھوجنے اور رازہائے فطرت کا پتہ لگانے کا۔

اب رہا دوسرا درجہ یعنی اشیائے عالم سے عملی استفادے کا، تو اس باب میں بھی بے شمار آیات کے ذریعہ نوعِ انسانی کو اس پر اُبھارا گیا ہے۔ مثلاً:

الم تروا ان اللہ سخر الکم مافی السموت وما فی الارض واسبع علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ :

ترجمہ: کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین اور اجرامِ سماوی کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں؟ (لقمان: ۲۰)۔

اس آیت کی تفسیر میں ظاہری اور باطنی نعمتوں سے متعلق متعدد باتیں کہی گئی ہیں۔ مگر نسبتاً سب سے بہتر تفسیر علامہ زمخشری نے کی ہے کہ ''ظاہری سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو مشاہدہ میں آسکے۔ اور باطنی سے مراد وہ نعمت ہے جو کسی دلیل سے معلوم ہوسکے یا بالکل ہی معلوم نہ ہوسکے۔ اس لحاظ سے انسانکے بدن میں کتنی ہی ایسی (پوشیدہ) نعمتیں موجود ہیں۔ جن کو انسان نہیں جانتا اور ان کی طرف راہ یاب نہیں ہوتا''۔

ظاہری اور باطنی نعمتوں کا یہ محض ایک جزوی پہلو سے جو اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ مگر کلی اعتبار سے اس کا صحیح مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نوازشاتِ الٰہیہ ہیں جو آفرینشِ آدم سے لے کر عصرِ حاضر تک برابر معلوم ومتعارف چلی آرہی ہیں۔ یعنی وہ لوازمِ حیات جن کے استعمال سے ہر دور کا انسان بخوبی واقف رہا ہے۔ اور باطنی نعمتوں کی فہرست میں کل اشیائے عالم کے مخفی فوائد آسکتے ہیں۔ اس لحاظ سے باطنی نعمتوں سے مراد مادہ (METTER) اور توانائی (ENERGY) کے وہ سارے پوشیدہ اسرار وحقائق اور اُن میں ودیعت شدہ فوائد ہوسکتے ہیں جو علومِ سائنس کی ترقی کی بدولت منکشف ہوسکے ہیں اور جن کو موجودہ دور کا انسان مسخر کر کے بخوبی فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ مثلاً برق، بھاپ، جوہری توانائی (ATOMIC ENERGY) اور بے شمار قسم کے کیمیاوی مرکبات (CHEMICAL COMPOUNDS) جو مصنوعی غذاؤں، ادویہ، کھادوں اور دیگر بے شمار مصنوعات کی تیاری سے متعلق ہیں۔

یہ تمام نعمتیں روزِ ازل ہی سے کائنات میں موجود اور مخفی تھیں، جن سے انسان علمِ اسماء (علمِ اشیاء) کی ترقی اور علمِ تسخیر (ٹکنالوجی) کی ترقی کی بدولت صحیح فائدہ اب اُٹھا رہا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وسخر لکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعاً منہ ان فی ذالک لایتٍ لقوم یتفکرون:

ترجمہ: اور اُس زمین اور اجرامِ سماوی کی تمام چیزیں تمہارے کام میں لگا دی ہیں۔ یقیناً اس باب میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے (بہت سے) دلائل موجود ہیں۔ (جاثیہ: ۱۳)۔

تسخیر کے لغوی معنی ہیں کسی کو قابو میں رکھنا یا اُس کو رام کرنا۔ امام راغب نے تصریح کی ہے کہ کسی چیز کو مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس

سے جبراً کام لیا جائے۔(۵)

اس اعتبار سے نقاشِ فطرت نے تمام موجوداتِ عالم کوانسان کے خادم اور حاشیہ بردار کی حیثیت سے متعین کر رکھا ہے۔اور تمام مظاہرِ عالم اور اُن کی ظاہری اور پوشیدہ قوتیں انسان کے خدمت گاروں کے رُوپ میں اپنے تسخیری فرائض انجام دینے کے لئے تیار کھڑی ہوئی ہیں۔اب انسان کا کام اپنے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے یہ ہے کہ وہ اپنی عقل ودانش سے کام لے کر ان خدام سے اپنی تمدنی ضروریات اور اُن کے تقاضوں کو پورا کرے اور اپنے دور کے تمدنی مسائل ومشکلات کا حل تلاش کرے۔(کسی کا نام صنعت وحرفت اور ٹکنالوجی ہے۔صحیفۂ فطرت اور اس کے نظاموں میں حقیقتاً کسی چیز کی کمی نہیں ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

واتا کم من کل ماسالتموہ:

اور اُس نے تمہارے تمام (فطری وتمدنی) مطالبات پورے کردیئے ہیں۔(ابراہیم:۳۴)

ان تصریحات سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اسلام صنعت وحرفت اور ترقی تمدن کا مخالف نہیں ہے بلکہ اس کو فروغ دینے والا ہے۔واقعہ یہ ہے کہ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ تمام مذاہبِ عالم میں وہی ایک واحد مذہب ہے جس نے نہ صرف دین ومذہب اور تہذیب وتمدن کا صحیح رشتہ واضح کیا بلکہ اس کائناتِ گیتی میں سب سے پہلے نظر (THEORETICAL)اور عملی (PRACTICAL)دونوں سائنسوں کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی اور اہلِ اسلام کو''تسخیرِ کائنات'' کی طرف متوجہ کیا۔

بطورِ مثال چند آیات ملاحظہ ہوں:

اللہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک بامرہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون. وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعاً منہ:

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اُس میں کشتیاں اس کے حکم سے چل سکیں اور تاکہ تم اُس کا فضل (روزی کے ذرائع) تلاش کرسکو۔اور اس لئے کہ تم اللہ کے شکر گزار بن سکو۔اور اُس نے اجرامِ سماوی اور زمین کی ساری چیزیں۔تمام کی تمام۔تمہارے لئے مسخر کردی ہیں۔(جاثیہ:۱۲۔۱۳)۔

تجرباتی سائنس کا داعی اول قرآن ہے:

ان سے بڑھ کر صاف اور صریح آیات اور کیا ہوسکتی ہیں!اس قسم کی اور بھی آیات موجود ہیں۔یہ انہی آیات کا کرشمہ تھا کہ قرونِ وسطیٰ میں اہلِ اسلام نے قدیم اقوامِ عالم مثلاً یونانی،ہندوستانی،ایرانی،رُومی اور مصری وغیرہ علوم وفنون کے باقی ماندہ علمی سرمائے کو اکھٹا کر کے ان کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور کتب خانے،یونیورسٹیاں اور تجرباتی معمل (LABORATORIES) قائم کر کے سائنسی علوم کو بے انتہا ترقی دی اور جدید سائنس کی بنیاد ڈالی۔اس موقع پر یہ تاریخی حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ یونانی فکر وفلسفہ (جس سے مسلمانوں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا) محض نظری اور قیاسی تھا۔عملی وتجرباتی سائنس کا یونانیوں کے ہاں کوئی تصور نہیں تھا۔اور بقول

ایڈون اے برٹ یونانی ذہن تسخیر کائنات کے قصور سے قطعاً نا آشنا تھا۔(۶)۔
اسی طرح یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ سولہویں صدی کے آخر تک یورپ بھی تجرباتی سائنس (PRACTICAL SCIENCE) سے بالکل ناواقف تھا۔

چنانچہ یورپ میں جدید تجربیت کا پہلا مفکر فرانسس بیکن (۱۵۶۱ـ۱۶۲۶ء) تسلیم کیا جاتا ہے جس نے یورپ کو فلسفۂ تجربیت سے پہلی بار روشناس کراتے ہوئے سائنٹفک طریقِ تحقیق کی بنیاد ڈالی۔(۷)۔
اس طرح بیکن کی فکری تحریک کا آغاز سترھویں صدی سے ہوتا ہے۔ مگر اس کے برعکس اہلِ اسلام آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں یعنی بیکن سے سات آٹھ سو سال پہلے ہی تجرباتی سائنس کی بنیاد ڈال کر مختلف سائنسی علوم کی تدوین کر رہے تھے اور سائنسی تجربہ گاہیں اور صدگاہیں قائم کر کے قرآن عظیم کی انقلابی تعلیم کے مطابق قدیم نظریات کو مشاہدے اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھ رہے تھے اور آزادانہ طور پر نئے نئے نظریات قائم کر رہے تھے۔ اس طرح مسلمانوں نے اپنے دور میں انقلابی اقدامات کر کے ایک نئے اور سنہرے دور کا آغاز کیا اور ایک نئی تاریخ بنائی۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کی نشأۃ ثانیہ (RENAISSANCE) اور موجودہ سائنس کی بنیاد اہلِ اسلام ہی کی تحقیق وتدوین اور اُن کے بلند پایہ افکار ہی پر مبنی ہے، جیسا کہ پروفیسر حتی نے اپنی قابلِ قدر کتاب ''ہسٹری آف دی عربس'' میں اور اسی طرح دیگر فضلا نے بھی اپنی تحریروں میں اس حقیقت کا کھلے دل کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ حتی تحریر کرتا ہے:

Moslem Spain wrote one of the brightest chapters in the intellectual history of medieval Europe. Between the middle of the eight and beginging of the thirteenth centuries, as we have noted before, the Arabic-speaking people were the main bearers of the torch of culture and civilization throught the world. Moreover they were the medium through which ancience and philosophy were recovered, supplement.
ted and transmitted in such a way as to make possible the renaissance of western Europe. In all this, Arabic Spain had a large share. (8).

یعنی مسلم اسپین قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی ذہنی ارتقاء کی تاریخ بنانے میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آٹھویں اور تیرہویں صدی کے درمیان، جیسا کہ ہم اس سے پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں، عربی بولنے والے ہی پوری دنیا میں تہذیب اور تمدن کے مشعل بردار رہے ہیں۔ مزید براں وہی قدیم سائنس اور فلسفے کی بازیافت کا بھی واسطہ بنے۔ پھر ان (علوم) میں اضافہ کر کے انہی اس طور پر منتقل کیا کہ (انہی کے باعث) مغربی یورپ کی نشأۃ ثانیہ ممکن ہو سکی۔ اس پورے عمل میں عربی اسپین کا بہت نمایاں حصہ ہے۔

نیز مشہور امریکی سائنس دان جارج گیمو اپنی کتاب ''بیوگرافی آف فزکس'' میں تحریر کرتا ہے:

Arabian scholars studies and translated Greek manuscripts salvaged from the partially destroyed Hellenic libraries, and carried the banner of science while Europe was suffocating is the clutches of medieval scholasticism.(9).

یعنی عرب محققین نے یونانی کتابوں کو ان کا مطالعہ اور ترجمہ کر کے انہی جزوی طور پر تباہ شدہ ہیلینی کتب خانوں کے ذریعہ ضائع ہونے سے بچالیا۔ اور (اس طرح) اُنہوں نے سائنس کا پھریرا اُس وقت بلند کیا جب کہ یورپ کا گلا روایتی اُصول پرستی کے ہاتھوں گھونٹا جارہا تھا۔

لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ تاریخی اعتبار سے قرآنِ عظیم ایک نئے فکری دور کا داعی اور علمبردار تھا، جس نے اپنے متبعین کو نئے نظریات سے آگاہ کر کے فکری دنیا کی کایا پلٹ دی اور جدید علم نیز جدید صنعتوں کی طرف توجہ مبذول کرا کے ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کی حسبِ ذیل ایک اہم ترین آیتِ کریمہ میں غور فرمایئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ قرآنِ حکیم نے کس قدر روشن فکری اور فراخ دلی کے ساتھ نئے علوم اور صنعتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے:

"ان فی خلق السموت و الارض و اختلاف الیل و النھار و الفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس و ما انزل اللـه من السماء من ماءٍ فاحیا به الارض بعد موتها و بث فیها من کل دابةٍ و تصریف الریح و السحاب المسخر بین السماء و الارض لا یتٍ لقومٍ یعقلون:

ترجمہ: زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں، دن رات کے ہیر پھیر میں، اور اُن کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کے لئے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں، اُس پانی میں جس کو اللہ نے بلندی سے اُتارا اور اُس کے ذریعہ زمین کو زندگی بخشی جب کہ مُردہ تھی پھر اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دئے، اور ہواؤں کے ادل بدل میں، اور اُس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مسخر رہتا ہے۔ (غرض ان تمام مظاہر میں) عقل مندوں کے لئے یقیناً (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں۔ (بقرہ:۱۶۴)۔

جیسا کہ شیخ طنطاوی جوہری نے لکھا ہے اس موقع پر بہت سے تمدنی فوائد کا بھی اثبات ہو رہا ہے۔ مثلاً اس موقع پر اہلِ دانش کے سند اُن لوگوں کو عطا کی جارہی ہے جو اجرامِ سماوی کی تخلیق میں غور کرتے ہیں، دن رات کے ہیر پھیر اور اُن کے اسرار و عجائب معلوم کرتے ہیں، سمندری کشتیوں، جہازوں اور سامانِ تجارت کے فوائد پر نظر ڈالتے ہیں، بارش کے اسرار نباتات کے مظاہر، چوپاؤں کی خلقت اور اُن کی سرشت کا مطالعہ کرتے ہیں، ہواؤں کے ضوابط کا علم حاصل کرتے ہیں، بارش اور بادلوں کے اسرار معلوم کرتے ہیں۔ غرض ان تمام چیزوں کی حقیقت و ماہیت اور ان کے اسرار و فوائد کے جاننے اور ان میں غور و فکر کرنے والوں کو اس موقع پر ''صاحبِ عقل'' یا اہلِ دانش'' قرار دیا گیا ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فلکیات، بارش، ہوا، بادل، ندی نہریں، معدنیات اور دیگر تمام طبیعی و صنعتی علوم

کی تحصیل ضروری ہے۔غور فرمایئے تو پتہ چلے گا کہ یہاں پر جن کشتیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ لوہا، کوئلہ اور بجلی کے محتاج ہیں۔(اور یہ بات موجودہ دور کے نئے جہازوں پر زیادہ صادق آتی ہے اور جہاز سازی کے لئے ان تمام متعلقہ چیزوں کا علم اور ان کی جانکاری حاصل کرنا بھی ضروری ہے)۔غرض اس آیتِ کریمہ میں تمام اہل علوم کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔(۱۰)۔

اسلام اور دیگر مذاہب:

ان مباحث سے یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہوگئی کہ اسلام کی نظر میں مظاہرِ علوم اور ان کے منافع سے استفادہ کرنا بُری بات یا کوئی ذلیل حرکت نہیں ہے، جیسا کہ دیگر مذاہب میں سمجھا گیا ہے۔کیونکہ یہ دنیا اور اس کی تمام چیزیں انسان ہی کے لئے تخلیق کی گئی ہیں۔لہٰذا ضروری ہے کہ انسان خدائی ضوابط اور شرعی حدود کے اندر رہ کر ان تمام چیزوں سے فائدہ اُٹھائے اور گیسوئے انسانیت سنوارے۔

•حقیقت یہ ہے کہ اسلام دین و دنیا دونوں کی آمیزش کا ایک کامیاب سنگم اور ان دونوں کے ملاپ کا ایک حسین گلدستہ ہے، جس کا کوئی ادنیٰ سا تصور بھی میں دیگر ادیان میں نہیں ملتا۔وہ یہودیوں کی طرح صرف دنیوی آسائشوں ہی کو اصل قرار نہیں دیتا اور نہ مسیحیت اور ہندی ادیان کی طرح ترکِ دنیا پر زور دیتا ہے۔بلکہ وہ دنیوی آسائشوں کو دین و اخلاق کے تحفظ اور آخرت کی کامیابی کا بھی ذریعہ سمجھتا ہے۔

جیسا کہ "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة"

ترجمہ: اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز) میں آسائشِ دنیا کو آسائشِ آخرت پر مقدم رکھنے کا فلسفہ ظاہر کرتا ہے۔

حوالہ جات:

(۱) تفسیر ابنِ کثیر، جلد ۱ ص ۷۳، مطبوعہ مصر.

(۲) تفسیر کشاف، جلد ۱ ص ۲۷۲، مطبوعہ تہران.

(۳) تفسیر کبیر، ۲۵۸/۱، مطبوعہ مصر.

(۴) تفسیر کشاف، ۲۳۵۳۰.

(۵) المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفهانی، مطوعہ بیروت.

(۶) فلسفۂ مذہب، اُردو ترجمہ، ص ۲۲۴، لاہور.

(۷) ایضاً ص ۲۲۵، نیز ملاحظہ ہو کتاب" فکرِ جدید کے سانچے "(MOLDERS OF MODERN MIND).

از رابرٹ بی ڈاؤ نز، ترجمہ غلام رسول مہر، ص ۴. ۱، لاہور.

نیز ملاحظہ ہو: THE REALM OF SCIENCE, VOL 1, P.94, USA.1972.

8.HISTORY OF THE ARABS, PHILLIP K. HITTY , P,557, LONDON, 1977.

9.THE REALM OF SCIENCE ,VOL 7,P.33.

(۱۰) ماخوذ از القرآن والعلوم العصریۃ، ص ۲۵ . ۲۶ ،مصر، ۱۳۷۷ ھ.

سائنس کی ترقی میں قرآنِ مجید کا تاریخی کارنامہ:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلامی دور سے پہلے سائنس کا کوئی باقاعدہ وجود نہیں تھا اور عملی سائنس (پراکٹیکل سائنس) تو گویا سرے سے تھی ہی نہیں۔ بلکہ ''سائنس'' جو کچھ بھی تھی وہ محض یونانی فلسفے کے ماتحت چند نظری چیزوں کا مجموعہ تھی جن کا درجہ ظن وتخمین سے زیادہ نہیں تھا۔ یونانی فلاسفہ حکمت ودانش کی باتیں تو بڑی اچھی اچھی کہتے تھے مگر اپنے نظریات ومفروضات کی صحت وصداقت کو ثابت کرنے کے لئے انہیں کسی تجربے یا مشاہدے کی ضرورت کبھی محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ اس کے برعکس وہ مشاہدے یا تجربے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔

اس کے برعکس قرآن مجید نہ صرف تجربے ومشاہدے پر اُبھارتا ہے بلکہ دنیا کی ہر چیز اور ہر مظہرِ فطرت کا نزدیکی اور باریک بینی کے ساتھ جائزہ لینے کی تاکید کرتا ہے، جیسا کہ اُس کی بے شمار آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور یہاں چند آیات کا مفہوم پیش کیا جاتا ہے جس سے اس موضوع کی اہمیت کا پتہ چل سکتا ہے۔(۱)

وہ نوعِ انسانی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ زمین اور اجرامِ سماوی کی ہر چیز کو غور سے مشاہد کرے۔(یونس:۱۰۱)۔(۲)۔

وہ آسمانی بُرجوں کا مشاہدہ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔(حجر:۱۶)۔(۳) وہ درختوں اور پودوں میں پھلوں کے لگنے اور اُن کے پکنے کے مناظر پر غور کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔(انعام:۹۹)۔(۴)۔

وہ اونٹوں کی عجیب وغریب خلقت، آسمان کی اُونچائی، پہاڑوں کا مضبوطی کے ساتھ نصب کیا جانا اور زمین کے پھیلاؤ کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔(غاشیۃ:۱۷،۲۰)۔(۵)

نیز وہ پُر زور انداز میں کہتا ہے کہ زمین وآسمانوں کی تخلیق، دن رات کے ہیر پھیر، سمندر میں چلنے والی کشتیاں، آسمان سے برسنے والی بارش، زمین سے اُگنے والے نباتات، دھرتی پر پھیلے ہوئے حیوانات، ہواؤں اور بادلوں کی تسخیر غرض ان تمام مظاہر کے قواعد وضوابط میں اہلِ دانش کے لئے اسباق رکھ دیئے گئے ہیں۔(بقرہ:۱۶۴)۔اور ان اشیاء میں موجود طبیعی قواعد وضوابط معلوم کرنے ہی کا نام سائنس ہے جو قرآنی دعوتِ فکر کا نتیجہ ہے۔واضح رہے کہ سائنس دنیا بھر میں پائے جانے والی چیزوں کے منظّم مطالعے کا نام ہے۔

غرض اہلِ اسلام نے اس دعوتِ فکر سے متاثر ہو کر اپنے دور میں دنیا کی ہر چیز اور ہر مظہرِ فطرت پر غور کرنا اور نئے نئے حقائق وضوابط کا پتہ لگانا شروع کیا۔جس کے باعث جدید سائنس کی داغ بیل پڑی اور ایک بالکل نئے دور کا آغاز ہوا جو سابقہ تمام ادوار سے مختلف تھا۔ بلکہ متعدد حیثیتوں سے مابعد کے ادوار میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ کیونکہ یورپ کو سائنس کے میدان میں عروج حاصل کرنے کے لئے

لاکھوں آدمیوں کی قربانی دینی پڑی جو کلیسا (چرچ) اور سائنس کی کش مکش کا ایک خونی باب ہے۔ مگر اسلام کی تاریخ اس قسم کے خونی اور سیاہ باب سے خالی ہے۔ کیونکہ اسلام عیسائیت کی طرح تجربے و مشاہدے کا دشمن اور علم و تحقیق کا گلا گھونٹنے والا نہیں بلکہ انہیں پروان چڑھانے والا ہے۔

مؤرخین عموماً اہلِ اسلام کی بے مثالی عملی و سائنسی ترقی پر اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً پروفیسر حتی نے اس کو عربوں کی ذہانت وطباعی کے ساتھ ساتھ کچھ مخفی قوتوں اور صلاحیتوں کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

(دیکھئے ہسٹری آف دی عربس، ص ۳۰۶، مطبوعہ لندن، ۱۹۷۷ء)۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ صلاحیت اور اعلیٰ دماغی ان میں کہاں سے آئی؟ اور ان کی مخفی قوتوں کو کس نے بیدار کیا؟ اور سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ تہذیب و تمدن سے عاری ایک تہی مایہ قوم میں یہ قوتیں اچانک بیدار کیسے ہوگئیں؟ کیا اس موقع پر قرآنِ عظیم کے سوا کوئی دوسرا قوی محرک پایا بھی جاتا ہے جس نے اپنی بے شمار آیات کے ذریعہ نہایت درجہ مؤثر اور طاقتور انداز میں ایک سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر کے اس کو مطالعۂ فطرت اور اُس کے رازوں کو بے نقاب کرنے پر آمادہ کر دیا؟

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو قرآنِ عظیم پورے عالمی لٹریچر میں ایک منفرد اور عظیم الشان صحیفہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ قرآنِ عظیم ہی کا عطیہ اور اس کی زبردست کارفرمائی تھی کہ ریگزارِ عرب کے بدو اور اُونٹ چرانے والے ایک قلیل عرصے میں برق رفتاری کے ساتھ پوری مہذب دنیا پر چھا گئے اور رومی، ایرانی، سریانی، ہندی اور یونانی علوم کے وارث و مالک بن بیٹھے۔ بقول فلپ حتی جن علوم وفنون کو فروغ دینے میں یونانی قوم نے صدیاں لگا دی تھیں انہی عرب فضلاء نے صرف چند دہوں میں حاصل کر لیا۔ (کتاب مذکور، ص ۳۰۷)۔

واقعہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام نے دیگر اقوام کے خام علوم کو لے قرآنی دعوتِ فکر کے مطابق مسلسل غور و فکر اور تجربے و مشاہدے کے ذریعہ انہی بے انتہا ترقی دی اور ان میں ترمیم و اضافہ کر کے جدید سائنس کی بنیاد ڈالی، جیسا کہ مؤرخین و محققین اس سلسلے میں اعتراف کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ اسلام ہی دنیا کا پہلا اور آخری مذہب ہے جس نے سب سے پہلے موجوداتِ عالم میں غور و فکر اور تحقیق و تجربہ کرنے کی دعوت دی اور عملی و تجرباتی سائنس کی بنیاد ڈالی۔ یہ قرآن کی مثبت اور انقلابی دعوتِ فکر ہی کا نتیجہ تھا کہ اہلِ اسلام نے اقوامِ عالم کے باقی ماندہ علمی سرمائے کو اکھٹا کر کے عربی میں ان کا ترجمہ کیا اور ان کی تہذیب و تدوین کی، ان علوم میں نئی نئی راہیں نکالی گئیں اور علمِ کیمیا، طبعیات، فلکیات، ارضیات، طب، نباتات اور علم ہندسہ و ریاضی وغیرہ کو اپنی تحقیقات و اکتشافات سے بھر دیا۔ ان سب کارناموں کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

غرض اسلام ایک ابدی اور عالمگیر مذہب ہے۔ وہ ایک کامل فلسفۂ حیات کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست قوت و تحریک بھی رکھتا ہے۔ وہ محض چند عبادات اور رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ زندگی کا خاکہ پیش کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خلافتِ ارض کے لئے سائنس اور ٹکنالوجی کی بے حد اہمیت ہے۔ اور جو قوم اس باب میں پیچھے ہوجائے وہ غالب قوموں کی غلام یا اُن کا لقمۂ تر بن کر رہ جاتی

ہے۔مگر صدیوں کے عقلی جمود کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہنوں سے احساسِ زیاں جاتا رہا ہے۔ظاہر ہے کہ جب تک یہ جمود نہیں ٹوٹے گا اور کچھ کرنے کا ولولہ پیدا نہیں ہوگا، صبح نو کا آغاز نہیں ہوسکتا اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ (RENAISSANCE) برپا نہیں ہوسکتی۔شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے:

چمن میں رختِ گل شبنم سے تر ہے سمن سے سبزہ ہے بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے

واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم ایک زندہ اور انقلابی صحیفہ ہے۔مگر ہمارے موجودہ طرزِ عمل نے اُسے ایک مردہ اور بیکار سی کتاب بنا کر رکھ دیا ہے، جس کا مصرف اب محض فاتحہ اور جہلم وغیرہ کے رسوم کو انجام دینا ہے اور بس حالانکہ وہ زندگی کے میدان میں آج بھی ایک انقلابِ عظیم پیدا کرسکتا ہے، بشرطیکہ ہم اُس کے ساتھ ایک زندہ کتاب کا سا برتاؤ کریں اور بقولِ اقبال یقین کامل کے ساتھ جہدِ مسلسل پر عامل ہوجائیں۔

یقیں مُحکم عمل پیہم محبتِ فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

جدید سائنس کی ترقی میں مُسلم دور کا حصہ:

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ جدید سائنس کی ترقی تمام تر مغربی قوموں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔مگر یہ ایک غلط نظریہ ہے جو سائنس کی تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جدید سائنس کی بناڈالنے والے عرب مسلمان ہیں جنھوں نے یونان، روم اور قدیم ہندستان کے خام علمی سرمائے یا ان کے ''کھنڈروں'' پر اپنی عالی شان علمی عمارت کی بنیاد رکھی اور دنیا کو ''نئے'' علوم وفنون سے آشنا کرایا اور مردہ علوم میں زندگی کی روح پھونک کر اپنی انتھک کاوشوں کے ذریعہ علمی دنیا کو مالا مال کردیا۔

چنانچہ مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں حساب، الجبرا، فلکیات، طب، طبیعیات، کیمیا، حیاتیات (خصوصاً علمِ بناتات)، ارضیات اور جغرافیہ وغیرہ علوم کو بے انتہا ترقی دی اور ان علوم وفنون میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں لکھ کر دنیا بھر کے کتب خانوں کو ان علوم سے بھر دیا۔مسلمانوں کی ترقی کا یہ حال تھا کہ قرونِ وسطیٰ میں ان علوم وفنون کی ترقی کے لئے بغداد، دمشق، مصر، صقلیہ (سسلی) اور قرطبہ (سپین) وغیرہ میں مسلمانوں نے عظیم الشان کتب خانے اور یونیورسٹیاں قائم کی تھیں جہاں پر دن رات ان علوم کی تحقیق وتدوین میں سینکڑوں ماہرین مصروف رہا کرتے اور ہر علم وفن پر بحث ومباحثہ کرکے کائنات اور نظامِ کائنات سے متعلق نئے نئے نظریات وضع کرتے تھے۔جس طرح کہ آج مغربی اقوام کا حال ہے۔اُس دور میں مسلمان اس قدر ''ترقی یافتہ'' سمجھے جاتے تھے۔کہ یورپین ممالک کے مسیحی لوگ تک مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں حصولِ تعلیم کے لئے دُور دراز سفر کرکے قرطبہ اور صقلیہ وغیرہ آیا کرتے اور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ملک واپس ہوکر ان علوم اور ''جدید افکار'' سے اپنے اہلِ وطن کو روشناس کراتے تھے، اُس وقت پورا یورپ

جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور یہ مُسلم دور کا احسان ہے کہ اُس نے یورپ کو دورِ وحشت سے نکال کر علم سے روشناس کرایا، جیسا کہ خود غیر متعصب علمائے یورپ نے اس سلسلے میں کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ مثلاً جارج سارٹن (مصنف اے انٹروڈکشن ٹو دی ہسٹری آف دی سائنس) اور فلپ حتی (مصنف ہسٹری آف دی عربس) وغیرہ۔

چنانچہ مؤخر الذکر نے ایک جگہ پوری صفائی کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: ''عربوں نے (قدیم علوم کو) قرونِ وسطیٰ کے یورپ تک پہنچانے میں ایک درمیانی واسطے کا کردار ادا کیا ہے۔ یہ ان کے ذہنی اثرات ہی کا نتیجہ تھا جو مغربی دنیا کی بیداری کا باعث بنا اور بالآخر موجودہ نشاۃ ثانیہ کے لئے راہ ہموار ہوئی۔ قرونِ وسطیٰ میں انسانی ترقیوں کے لئے کوئی قوم عربوں اور عربی بولنے والوں سے بڑھ کر معاون و مددگار نہیں بن سکی''۔ (ہسٹری آف دی عربس، ص۴ مطبوعہ لندن، ۱۹۷۷ء)۔

نیز وہ مزید تحریر کرتا ہے: ''مسلم اسپین قرونِ وسطیٰ میں یورپ کی ذہنی ارتقا کی تاریخ بنانے میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آٹھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان عربی بولنے والے ہی پوری دنیا میں تہذیب وتمدن کے مشعل بردار رہے ہیں۔ مزید براں وہی قدیم سائنس اور فلسفے کی بازیافت کا واسطہ بھی بنے رہے۔ پھر ان علوم میں اضافہ کر کے انہیں اس طور پر منتقل کیا کہ (انہی کے باعث) مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) ممکن ہو سکی۔ اس پورے عمل میں عربی اسپین کا حصہ بہت نمایاں ہے''۔ (کتاب مذکور، ص ۵۵۷)۔

اور پھر واقعہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام کو اس راہ پر ڈالنے کا سہرا قرآنِ عظیم کے سر ہے جو پورے عالمی لیٹریچر میں ایک منفرد نوعیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اس میں سینکڑوں آیات کائنات اور نظامِ کائنات سے متعلق ہیں جو انسان کو مظاہرِ کائنات یعنی اشیائے عالم اور ان کے نظاموں میں غور وخوض کر کے جہاں ایک طرف ان میں اثباتِ خداوندی کے سلسلے میں ودیعت شدہ اسباق وبصائر سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیتی ہیں تو دوسری طرف ان اشیاء میں موجود شدہ مادی فوائد متمتع ہونے کی ترغیب بھی دیتی ہیں تا کہ ان دو طرف فوائد کے ذریعہ جہاں ایک طرف انسانی تہذیب وتمدن ترقی کرے تو دوسری طرف مادیت اور مادہ پرستانہ رجحانات کا توڑ بھی بخوبی ہوتا رہا ہے۔ اس اعتبار سے اسلام نہ تو ترقی تمدن کے خلاف ہے اور نہ ہی اسلام اور سائنس میں کوئی ٹکراؤ ہے۔

مگر مسلم اسپین کے زوال (۱۴۹۲ء) کے بعد مسلمان جب علمی میدان میں پیچھے ہو گئے تو دینی ودنیوی (دونوں) اعتبار سے ان کا غلبہ اور تفوق جاتا رہا۔ کیونکہ علمِ فطرت دراصل علم دین کی بقا وتحفظ کے لئے ایک محافظ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی محافظ نہ ہو تو اس پر شبخون مارنا آسان ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کا علمی زوال اصل ہیں اُن کے سیاسی زوال کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا جتنی جلد ہو سکے انہیں اپنی سیاسی صفوں کو درست کر کے ایک عالمی طاقت کے روپ میں دوبارہ اُبھرنا ہے۔ ورنہ موجودہ عالمی قیادت کا خلاپُر کرنا اور دنیا کو امن وسلامتی کی طرف لے جانا ممکن نہیں ہے۔

اس سلسلے میں مسلمانوں کو بیدار کرنے اور انہیں دوبارہ اسٹیج پر لانے کے لئے دو قسم کے اقدامات نہایت ضروری ہیں۔ اول یہ کہ قرآن عظیم

میں کائنات اور نظامِ کائنات کے سلسلے میں جو سینکڑوں آیتیں مذکور ہیں انہیں محض طوطے اور مینے کی طرح رٹنے کے بجائے ان کے اسباق و بصائر پر غور کیا جائے اور مسلمانوں کو ایک انقلابی اقدام کے لئے تیار کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ مسلمان جب تک قرآن کو ایک زندہ کتاب تسلیم نہیں کرتے اور اس کی انقلابی دعوت پر عمل نہیں کرتے کسی قسم کی تبدیلی نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ تو صاف صاف فرماتا ہے: ''اللہ کسی قوم کی حالت اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے''۔ (رعد:۱۱) ظاہر ہے کہ ''کارِ خلافت'' کے لئے آسمان سے فرشتے نازل نہیں ہوں گے۔ بلکہ یہ فریضہ اہلِ اسلام کو انجام دینا پڑے گا۔ دوم یہ کہ مسلم دورِ حکومت میں ہمارے حکماء اور سائنس دانوں نے جو علمی اور سائنسی کارنامے انجام دئے ہیں ان کی یاد تازہ کی جائے اور مسلمانوں کو بتایا جائے کہ موجودہ سائنس کی ترقی میں ہمارے آباو اجداد نے کتنی زبردست کوشش کی ہے جس کے باعث آج ساری دنیا جدید سائنس کے ثمرات و حاصلات سے متمتع ہو رہی ہے۔

نیز اس کے علاوہ موجودہ دور میں کرنے کا ایک کام یہ بھی ہے کہ سائنسی علوم نے جن نئے فکری و تمدنی مسائل کو جنم دیا ہے اُن کا اسلامی نقطۂ نظر سے حل تلاش کر کے عالمِ انسانی کی علمی و فکری حیثیت سے رہنمائی کی جائے تا کہ اسلام کو ایک غالب اور برتر دین کے روپ میں پیش کیا جاسکے۔ یہ موجودہ دور کی ایک اہم ترین علمی ضرورت ہے۔

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے (اقبالؔ)

(جاری ہے ......)

قارئین کے لئے خوشخبری

جامعہ المرکز الاسلامی کی شاندار تحفۂ علمیہ کتاب:

"رویت ہلال کے بارے میں جدید سائنسی و فقہی تحقیق"

مرتب: مولانا مفتی عظمت اللہ بنوریؔ.

عنقریب منظرِ عام پر آئے گی۔ شائقین علوم اپنے لئے کاپی محفوظ کرلیں۔

اس کتاب میں رویت ہلال کے بارے میں چیدہ چیدہ اکابر علمائے کرام کی رائے اور عصرِ حاضر کے جدید آلات کی تحقیقات و سائنسی انکشافات کو بیان کرنے کے بعد اس پیچیدہ مسئلے کو شرعی نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہے۔

برائے رابطہ:۔ 0333-3509970 / 0302-5762002

......☆☆☆☆☆......